❁❁❁ تقریر ❁❁❁

تقریر بابت تربیت واصلاح
وقت 5-7منٹ

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

(از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ:36)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس کے قرب کا وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مُقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

معزز سامعین! خاکسار گزشتہ دو دنوں سے واسطہ اور وسیلہ کے حوالے سے گفتگو کر کے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کی اسلامی تعلیم پر گفتگو کر رہا ہے۔ آج مجھے اِسی کو آگے بڑھانا ہے لیکن ایک اور پہلو سے۔ اور وہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ تفسیر کی روشنی میں وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے معانی اور نت نئے نکات آپ حاضرین کے سامنے رکھنا ہیں۔ آپؒ نے صرف وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ پر گفتگو نہیں فرمائی بلکہ آیت کے سیاق و سباق کے حصّے پر عارفانہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"جو مختصر سی آیت اِس وقت مَیں نے تلاوت کی ہے وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اِس میں نہایت حسین پیرایہ میں ایک نہایت ہی بنیادی اہمیت کا مضمون بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِس کی کتب اور اِس کے رسولوں پر ایمان لانے کی کوئی غرض ہوتی ہے انسان کسی مقصد کے پیشِ نظر دنیا سے منہ موڑتا اور دنیا والوں کی دشمنی خرید کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا اور یہ اعلان کرتا ہے کہ مَیں اپنے ربّ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اِس کو جیسا کہ وہ چاہتا ہے اپنی ذات میں کامل اور اپنی صفات میں کامل سمجھے گا اور اِس بات پر یقین کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ اِسی طرح وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ مَیں اُس کے رسول اور اُس کی کتاب پر ایمان لایا ہوں اور جو پہلے رسول گزرے ہیں اور جو کتب نازل ہوئی ہیں اُن پر بھی ایمان لایا ہوں اور اِیْمَان بِالرُّسُل اور اِیْمَان بِالْکُتُب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان فلاحِ دارین حاصل کرے اور اِس زندگی میں بھی وہ خدا میں ہو کر با آرام زندگی پائے اور اُخروی زندگی میں بھی وہ فلاح کو حاصل کرے۔ فلاح کے معنی انتہائی کامیابی کے ہیں اور امام راغب نے اپنی کتاب مفردات میں لکھا ہے کہ اُخروی زندگی میں جو فلاح اور ابدی حیاتِ طیبہ ایک مومن کو ملے گی وہ چار خصوصیات کی حامل ہو گی۔ چار باتیں اس میں پائی جائیں گی اور وہ یہ ہیں۔

1: ایک ایسی ابدی زندگی جس پر کبھی فنا نہ آئے۔

2: ایک ایسی تونگری جس کے ساتھ کوئی احتیاج نہ رہے۔

3: اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسی عزت کہ جس کے ساتھ شیطانی ذلّت کے اندھیرے کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

4: وَعِلْمٌ بِلَا جَهْلٍ اور وہ حقیقی علم جو جہالت کی تمام ظلمتیں اور اُس کے اندھیروں کو دُور کر دیتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس غرض سے ایمان لائے ہو کہ ایک ابدی حیات تمہیں حاصل ہو وہ حیاتِ طیبہ تمہیں ملے جو ابدی فیوض کی حامل اور خدا تعالیٰ سے نئے سے نئے اور زیادہ سے زیادہ فیض اور برکتیں اور رحمتیں حاصل کرنے والی ہو اور یہ ایک ایسی زندگی ہے جس کا تصوّر بھی ہم یہاں اِس دنیا میں نہیں کر سکتے۔

جہاں تک غنا اور احتیاج کا سوال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو چاہو گے تمہیں مل جائے گا۔ اس سے زیادہ اور کیا غنا ہو سکتی ہے۔ عزت کی ایک نگاہ بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کسی بندہ پر پڑے وہ بھی بڑی ہے لیکن جس زندگی کے متعلق یہ وعدہ ہو کہ اس کے ہر لحہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نگاہیں ایک عاجز انسان پر پڑتی رہیں گی اس سے بڑھ کر اور کیا عزت ہو گی۔ پھر علم اور علم کی زیادتی کا یہ حال کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کے متعلق هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرماتا ہے یعنی مومن ہدایت کے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے کچھ مقامات حاصل کرتا ہے تو کچھ اور نئی راہیں اُس پر کھول دی جاتی ہیں پھر وہ ایک نئے بلند تر مقام پر پہنچتا ہے تو قرب کی کچھ اور راہیں اُس پر کھولی جاتی ہیں۔ یہ ہدایت اور علم ایسا نہیں جس پر انسان ایک وقت میں احاطہ کر لے اور سیر ہو جائے اور پھر تشنگی کا احساس اُس کے اندر پیدا نہ ہو بلکہ یہ وہ علم اور ہدایت ہے ہر لحہ انسان کو خدا تعالیٰ سے قریب سے قریب تر لے جاتا ہے۔ وہ علم ہے جو جس پر شیطان کی یلغار کا امکان ہی نہیں کیونکہ جنت کے دروازے شیطان پر بند ہو چکے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس قسم کی ابدی حیاتِ طیبہ کے حصول کے لیے تم ایمان لاتے ہو اور میری آواز پر لبیک کہتے ہو مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ اِس اعلانِ ایمان کے نتیجہ میں تین قسم کی ذمہ داریاں تم پر عائد ہوتی ہیں اور تین تقاضے ہیں جو یہ ایمان انسان سے کرتا ہے۔

پہلا تقاضا اس کا یہ ہے کہ اِتَّقُوا اللّٰہَ۔ انسان ایمان سے قبل بہت سی بدیوں اور بدعادتوں اور بدرسوم اور شیطانی خیالات میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ ایمان کے ساتھ ہی اُس کو یہ ساری بُرائیاں چھوڑنی پڑتی ہیں اور چھوڑنی چاہئیں اگر وہ ایمان میں سچا ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں اپنے نفس کو گناہ اور معاصی اور نواہی کے ارتکاب سے انسان اس لیے بچائے کہ کہیں اُس کا ربّ اس سے ناراض نہ ہو جائے پس جب ایمان حقیقی ہو اور اُس کے ساتھ جیسا کہ چاہئے معرفت اور عرفان بھی ہو تو ایمان کا پہلا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ساری بُرائیوں اور بدیوں اور بدرسوموں اور بدعادتوں اور بدخیالات اور بدخواہشوں اور گند سے میلانِ طبع کو انسان اپنے ربّ کی خاطر چھوڑ دے۔ غرض تمام گناہوں اور معاصی سے بچنے کا نام تقویٰ ہے اور عقلاً بھی انسان سے پہلا مطالبہ یہی ہونا چاہیے کیونکہ جب تم کہتے ہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے تو عقل کہتی ہے کہ اب تم کسی ایسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہونا جو تمہارے ربّ کی پسندیدہ نہیں جس سے وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ پس پہلا تقاضا ایمان ہم سے یہ کرتا ہے کہ ہم ہر اُس چیز سے بچیں جو ہمارے رب کو پسندیدہ اور پیاری نہیں ہے۔

دوسری ذمہ داری ہم پر یہ عائد ہوتی ہے یا یوں کہو کہ دوسرا تقاضا ایمان ہم سے یہ کرتا ہے کہ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ یعنی مقام خوف جس کا تقویٰ میں ذکر ہے صرف وہ کافی نہیں بلکہ اس کے بعد مقام محبت میں داخل ہونا ضروری ہے اور انسان کے دل کی یہ حالت ہونی چاہیے کہ وہ دلی تڑپ اور شوق اور رغبت کے ساتھ ان راہوں کو ڈھونڈے جو راہیں کہ اُس ربّ کی طرف لے جانے والی ہیں۔ جب غرباء کی ایک جماعت نبی کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اِس لیے حاضر ہوئی تھی کہ امیر کچھ ایسی نیکیاں کرتے ہیں جو غریب بجا نہیں لا سکتے اس لیے انہیں کچھ عبادتیں بتائی جائیں کہ وہ اُن کے ذریعہ اِس کمی کو پورا کر سکیں تو ان کے دل کی یہ خواہش وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ہی کا ایک نظارہ ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے۔ پس مومن کے دل کی یہ کیفیت ہونی چاہیے کہ ہر اُس راہ کو تلاش کرے جو راہ اسے اُس کے رب کی طرف پہنچانے والی ہو اور جس پر وہ چل کر اپنے رب کا قرب حاصل کرنے والا ہو۔ وَاسِلٌ کے معنی اللہ کی طرف راغب کے ہیں یعنی جو شخص اللہ کی طرف راغب ہوا ہے اُسے عربی زبان میں وَاسِلٌ کہتے ہیں اور مفردات راغب میں ہے کہ وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ قرب کی راہوں کی معرفت اور عرفان شوق سے حاصل کیا جائے۔ مَیں لفظی ترجمہ نہیں کر رہا بلکہ انہوں نے جو معنی کیے ہیں ان کا مفہوم اپنی زبان میں بیان کر رہا ہوں۔ اسی طرح قرب کی راہیں جو انسان پر کھلیں ان راہوں پر شوق سے چلا جائے اس کو انہوں نے عبادت کے نام سے پکارا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے جو احکام ہیں اور وقت اور حالات اور مقام اور ماحول کے مطابق جو بہترین ہدایتیں ہوں اُن بہترین ہدایتوں پر دلی رغبت سے عمل کیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ انسان سے خوش ہو جائے۔

پس ایک معنی وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے یہ ہیں کہ ان راہوں کی دلی رغبت اور شوق کے ساتھ تلاش جو خدا کی طرف لے جاتی اور انسان کو خدا تعالیٰ کا مقرّب بنا دیتی ہیں۔ پھر وسیلہ کے ایک معنی ہم قرآن کریم کے بھی کر سکتے ہیں کیونکہ قرآن کریم نے بڑی وضاحت کے ساتھ ان راہوں کی نشاندہی کی ہے جو راہیں خدا تعالیٰ کی طرف لے جانے والی ہیں اور اس صورت میں وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کہ یہ معنی ہوں گے کہ قرآن کریم کی ہدایات اور احکام سے دلی پیار اور محبت کرو تا تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب

حاصل ہو جائے پھر وَسِیۡلَۃَ کہ ایک معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی کیے جاسکتے ہیں اس کی طرف خود قرآنِ کریم نے سورہ بنی اسرائیل میں اشارہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ (بنی اسرائیل:58) کہ انسانوں میں جن کو مشرک معبود بناتے ہیں وہ خود ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر چکے ہوں اور جن کی مدد سے یا جن کے اُسوہ پر چل کر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر سکیں۔ ایک مومن تو ان سے بھی زیادہ اُسوہ کی تلاش کی تڑپ اپنے اندر رکھتا ہے اور جب ہم اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ کے مفہوم کی روشنی میں جو وسیلہ کے اندر پایا جاتا ہے اور جسے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت وضاحت کرتی ہے۔ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ پر غور کریں تو ہم یہ معنی بھی کر سکتے ہیں کہ قربِ الٰہی کی راہوں کی تلاش میں اُسوہ حسنہ کی تلاش کرو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن راہوں پر گامزن ہو کر اللہ تعالیٰ کے مقرب بنے تم بھی ان راہوں کو اختیار کرو کیونکہ آپؐ ہی کامل اُسوہ ہیں۔ تمہارے سامنے چونکہ ایک مثال پہلے سے موجود ہے اس لیے تم انہیں زیادہ آسانی سے پا سکو گے اور آپؐ کے اُسوہ کو سامنے رکھ کر اور آپؐ کی نقل کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے قرب کو زیادہ سہولت کے ساتھ حاصل کر سکو گے۔ غرض دوسری ذمہ داری جو ایمان کی وجہ سے کسی انسان پر عائد ہوتی ہے وہ اس آیت میں وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ بتائی گئی ہے۔ لغت والے لکھتے ہیں کہ اَلۡوَسِیۡلَۃَ کے اندر یہ مفہوم پایا جاتا ہے کہ قربِ الٰہی کی راہوں کو رغبت اور شوق کے ساتھ تلاش کیا جائے۔ پس وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ کے یہ معنی ہوئے کہ تم شوق اور رغبت کے ساتھ اِن راہوں کو تلاش کرو جو خدا تک لے جاتی ہیں۔

بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم بڑی مالی قربانیاں دیتے ہیں نمازوں میں باقاعدگی نہ ہوئی تو کیا ہوا۔ وہ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ پر عمل نہیں کر رہے ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومن کی یہ شان بتائی ہے کہ وہ قرب کی ہر راہ سے محبت اور پیار اور رغبت اور شوق کا تعلق رکھتا ہے یہ نہیں کہ وہ بعض راہوں پر چلے اور بعض راہوں کو چھوڑ دے۔

پھر بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ”جی سارا دن عبادت کر دے رہندے آں چندے نہ دتے تے کیہ ہو گیا“ حالانکہ ہر قرب کی راہ کو بشاشت سے قبول کرنا چاہیے اور اِس کے ساتھ پیار کرنا چاہیے اور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری زندگی کا ہر راستہ ہمارے رب تک پہنچانے والا ہو تا کہ ہم اُس کی رضا کو زیادہ حاصل کر سکیں۔ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ کا ہی مظاہرہ تھا کہ بعض صحابہ کے متعلق آتا ہے کہ چاہے انہیں پیشاب کی حاجت نہ ہوتی وہ بعض جگہ پیشاب کرنے کے لیے بیٹھ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں پیشاب کرتے دیکھا تھا اس لیے ہم رہ نہیں سکے اور ہم نے یہاں پیشاب کیا ہے۔ بظاہر اس فعل میں کوئی دینی چیز نہیں لیکن اس کے پیچھے جو محبت کام کر رہی ہے وہ بڑی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے جذبات کو قبول کرتا ہے۔ یہ چیز انسان کو کہیں سے کہیں اٹھا کر لے جاتی ہے۔ غرض وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ میں ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے کہ ہم نے قرب کی ہر راہ سے پیار کرنا ہے یہ نہیں کہ بعض راہوں کو لے لیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔

جب خدا تعالیٰ کی طرف لے جانے والی راہوں کی تعین ہو گئی اور ان راہوں سے پیار ہو گیا تو پھر ایمان کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ جَاہِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ دراصل جیسا کہ مَیں نے پہلے اشارہ کیا ہے کہ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ کا تعلق محبت الٰہی کے ساتھ ہے جیسا کہ اِتَّقُوۡا اللّٰہَ کا تعلق خوفِ الٰہی کے ساتھ ہے پھر جَاہِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ جس وقت انسان صحیح معنی میں اپنے رب کو پہچاننے لگتا ہے اور اُس کی ذات اور اُس کی صفاتِ کاملہ حسنہ کا کامل عرفان حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی قدر اور عزت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اُس کی عزت اور عظمت اور اُس کی جلال کچھ اس طرح سے دل میں بیٹھ جاتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں رہتی وہ ہیچ نظر آتی ہے۔ قدر دانی کا یہ جذبۂ محبت اور خوف سے جداگانہ ہے اور مَیں سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تجربہ رکھنے والے اس پر گواہی دیں گے کہ یہ خوف اور محبت کے جذبہ سے بلند تر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خوف اور محبت کے بعد جب تم واقع میں اللہ تعالیٰ کو پہچاننے لگے اور اُس کی معرفت تمہیں حاصل ہو گئی تو پھر تم اِس بات سے رہ نہیں سکتے کہ اُس کے راستہ میں جہاد کرو یعنی وہ راہ جب مل گئی تو دنیا کی ہر تکلیف برداشت کرتے ہوئے ہر قربانی دے کر اِس راہ پر گامزن رہنا یہ مجاہدہ ہے۔ مال کی قربانی ہے، نفس کی قربانی ہے، جان کی قربانی ہے، اوقات کی قربانی ہے، عزتوں کی قربانی ہے اور اولاد کی قربانی ہے ہر قسم کی قربانی ہے جس کا مطالبہ جَاہِدُوۡا ہم سے کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا مقام انسان نے پہچان لیا تو وہ کہاں بخل کرے گا۔ بخل تو ایسے دل اور ایسے دماغ میں داخل ہو نہیں سکتا وہ تو یہ کہے گا کہ ہر چیز خدا کی راہ میں قربان ہے اور یہ تیسری ذمہ داری ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان پر ڈالی ہے۔

پس اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اوّل خدا کا خوف پیدا ہو اور انسان تمام بُرائیوں کو چھوڑ دے پھر خدا کی محبت پیدا ہو اور انسان نیکی کی ہر راہ پر گامزن ہونے کے لیے تیار ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی قدر اور اُس کی عظمت اور اُس کا جلال اُس کے دل کو اپنے قبضہ میں لے لے اور اُس کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ اور اِس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالو۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

پھر جب یہ تینوں مطالبے تم پورے کرو گے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تب ہی تم اس فلاحِ دارین کو حاصل کرو گے جو تمہارے ایمان کی غرض ہے۔ اگر تم ایمان کا دعوٰی کرو لیکن ان مطالبات کو پورا نہ کرو تو تم فلاحِ دارین حاصل نہیں کر سکتے۔ تمہارے جیسا بدبخت اور بدقسمت پھر کوئی نہیں ہو گا کہ جس کے ہاتھ میں نہ دنیا رہی نہ دین رہا۔ دنیا دار دین کی وجہ سے اِس سے پیچھے ہٹ گئے اور ناراض ہو گئے اور خدا کے سامنے اس کے اعمال پیش کیے گئے تو ان میں ہزار کیڑے دنیا کے نکلے اور خدا تعالیٰ نے بھی انہیں ردّ کر دیا۔"

(خطبات ناصر جلد دوم صفحہ 154-159)

پھر ایک اور موقع پر آپؒ فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم نے کامیابیوں کے حصول کے لیے معتدد جگہ مختلف پہلوؤں سے صداقت و ہدایت کی راہوں کی نشاندہی کی ہے اور اُن راہوں کو روشن کیا ہے اور اُن کی طرف انسان کی رہنمائی کی ہے اور اُن کی برکتوں کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے۔ اِس وقت جو مختصر سی آیت مَیں نے پڑھی ہے اِس میں اِس سلسلہ میں ایک حسین مضمون بھی بیان ہوا ہے۔ مَیں اس لیے بھی کہتا ہوں کہ قرآن کریم کے بہت سے بطون ہیں اور ہر وطن اس کے حسن کو دوبالا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری حقیقی کامیابی اس بات میں ہے کہ تم ان راہوں سے پرہیز کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور ان بداعتقائد اور بداعمال سے بچتے ہو جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور وہ چیز پیش کرو جو اُسے پسند ہو اور اُس کی پناہ میں آجاؤ۔ اپنی حفاظت کے لیے اُسے اپنی ڈھال بنالو اور اُسے اپنی کامیابی کا ذریعہ بنالو تو تب تم کامیاب ہو گے اور ایک ایسی کامیابی تمہیں حاصل ہو گی جس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فلاح کے معنی عربی میں عظیم کامیابی کے ہوتے ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان کا دعوی کرنے والو! ناکامیوں سے بچنے میں اپنی حفاظت کے لیے خدا تعالیٰ کو اپنی پناہ بنالو اور اس کو اپنی ڈھال بنالو وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اور ڈھال اس طرح بناؤ کہ اُس کے قرب کی راہوں کو تلاش کرو۔ زبانی دعووں سے تو اللہ تعالیٰ کسی کی ڈھال نہیں بن سکتا بلکہ اُس کے قرب کی راہیں متعین ہیں اور اِن متعین راستوں کو اختیار کر کے اِن راہوں پر چل کر اللہ تعالیٰ انسان کو اُس مقام تک پہنچا دیتا ہے جو اُس کے قرب کا مقام اور اُس کی رضا کا مقام ہے۔

وَسِيْلَةٌ کے لیے تین طریقے بیان کیے گئے ہیں اور وہ اِس مضمون کو ظاہر کرتے اور اِس کو نمایاں کرتے ہیں۔ وَسِيْلَةٌ کے معنی ہیں خدا تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنا اور اِس کے لیے جو راہ اور جو ذریعہ ہے وہ ایک تو علم و معرفت ہے اور دوسرے عبادت ہے اور تیسرے ہے مکارمِ شریعت کو اختیار کرنا۔ جیسا کہ دوسری جگہ بتایا ہے علم و معرفت خدا تعالیٰ کی ذات کو پہچاننا اور اُس کی صفات کا عرفان رکھنا بہت ضروری ہے اور پھر اِس کے نتیجہ میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اِن کو پورا کرنے کے لیے عبادت اور مکارم کے لباس میں خود کو ملبوس کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ قرب اور وسیلہ کے حصول کے لیے جو راستہ اور سبیل ہے وہ تین قسم کی ہے۔ ایک تو صحیح روحانی علم کا حاصل ہونا، معرفت کا حاصل ہونا دوسرے خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق پر اس کی عبادت کرنا اور تیسرے شریعتِ حقّہ اسلامیہ کے مکارم کو اختیار کرتے ہوئے اپنی روح اور اپنے ذہن اور اپنے عمل اور اپنے عقیدہ میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ ان تینوں چیزوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ انسان کی ڈھال بن جاتا ہے اور اُسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔

اگر انسان کو خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت نہ ہو تو اُس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں۔ اِس لیے اُس کے قرب کی راہوں کی تلاش وہ صحیح معنی میں کر ہی نہیں سکتا۔ اِسی لیے آپ کو دنیا میں ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جو زبان سے تو یہ دعویٰ کر رہے ہوں گے کہ وہ خدائے واحد و یگانہ کی پرستش کرتے ہیں اور اُس کی وحدانیت کی معرفت رکھنے والے ہیں لیکن وہی لوگ جب مقبروں میں جاتے ہیں تو قبروں کو سجدہ کرنے لگ جاتے ہیں اور جب اپنے بزرگوں کے پاس جاتے ہیں تو انہیں ارباب سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اُن کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ ہزار بت اپنے سینوں میں انہوں نے سجائے ہوتے ہیں اور ہزار بت کے گرد اُن کا طواف ہے اور زبان سے یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہم خدائے واحد و یگانہ کی پرستش کرنے والے ہیں۔ یہ تضاد ہمیں اس لیے نظر آتا ہے کہ بنیادی طور پر انہیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت حاصل نہیں اور چونکہ انہیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا، اُس کے احد ہونے کا عرفان ہی حاصل نہیں اس لیے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اور اُس کا علم جن باتوں کا تقاضا کرتا ہے وہ اُس

کو پورا نہیں کرتے اور پورا کر ہی نہیں سکتے کیونکہ انہیں علم ہی نہیں کہ خدائے واحد و یگانہ کی معرفت کے بعد انسان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ ربّ ہے نیز قرآن کریم نے دوسری بہت ساری صفات بیان کی ہیں جن کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ ہے۔ ان میں سے بعض بنیادی ہیں اور بعض اُن سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی یہ کہا کہ میرے صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرو اور میری صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ۔ اب اگر انسان ربّ کی ربوبیت کا علم ہی نہیں رکھتا اُسے اُس کی معرفت ہی حاصل نہیں، اُس رنگ کو وہ پہچانتا ہی نہیں تو اپنی ذات پر اور اپنی صفات پر وہ اِس رنگ کو کیسے چڑھائے گا۔ یہ واضح بات ہے کہ کوئی گہری اور دقیق بات نہیں ہے کہ جب تک رنگ کی پہچان نہیں اُس رنگ کو اپنے نفس کے اوپر چڑھایا ہی نہیں جا سکتا۔ اب ربوبیت ربّ العالمین کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں تک انسان کی طاقت ہو وہ ہر مخلوق کی نشو نما کے سامان پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جہاں تک کہ انسان کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے تو ربّ ہونے کی حیثیت سے اگر کسی چیز کو پیدا کیا تو اس کو اور طاقتیں بھی دیں اور اُن کی نشو نما کے سامان بھی پیدا کیے بس جو شخص صفت ربّ العالمین کی معرفت اور علم رکھتا ہے وہ تو یہی رنگ اپنے پر چڑھائے گا اور وہ کسی شخص کو اس کے حق سے محروم نہیں کرے گا لیکن جو شخص اُس صفت کا علم ہی نہیں رکھتا اُسے اُس کی معرفت ہی حاصل نہیں وہ اُس کے مطابق عمل نہیں کر سکتا اور یہ بنیادی حکم کہ میری صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ اور اُس کے مطابق دنیا سے یعنی اپنے بھائی بندوں سے اور دوسری مخلوق سے سلوک کرو وہ اُس کے مطابق عمل نہیں کر سکتا۔

پس خدا تعالیٰ کو اپنی حفاظت کے لیے ڈھال بنانے، خدا تعالیٰ کے قرب کی راہوں کو حاصل کرنے کے لیے اس کی پناہ میں آجانے اور خدا تعالیٰ کے پیار کو خدا کے فضل سے حاصل کرنے کے لیے جو ذریعہ ہے اس کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کہ اس وسیلہ کو تلاش کرو جو خدا تعالیٰ نے تمہارے سامنے رکھا ہے اور مَیں نے بتایا ہے کہ وہ تین باتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی بات علم اور معرفت اور عرفان حاصل کرتا ہے اور پہلوں کے مشاہدات اور اِن کے تجربوں کے نتائج سے غفلت برت کر خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا اور ایک اس کا اپنا مشاہدہ ہے وہ بھی علم کا ذریعہ بنتا ہے ..... اگر یہ پہلو یعنی خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق علم اور معرفت رکھنا جو کہ پہلا پہلو اور بنیادی چیز ہے اگر یہ نہ ہو گا تو اِتَّقُوْا کا جو حکم ہے کہ خدا کی پناہ میں آجاؤ اور اپنی ترقیات کے لیے اور اپنی جنتوں کے حصول کے لیے اُس کے قرب کو حاصل کرو یہ حکم پورا نہیں ہو سکتا۔ اِس علم کے نتیجہ میں پھر آگے دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں ایک عبادت ہے خدا تعالیٰ کے حضور انسان کا سر جھک جاتا ہے اس کو ہم حقوق اللہ کی ادائیگی کہتے ہیں اور دوسرے مکارم شریعت پر عمل کرنا ہے۔

الغرض وَسِيْلَةٌ کے لیے یعنی قرب الٰہی کے حصول کے لیے تین باتیں بتائی گئی ہیں۔ اِن میں سے پہلی بات علم ہے یعنی خدا تعالیٰ اور اُس کی صفات کی معرفت اور عرفان اور ان صفات کے جلووں پر غور کرنا جو اُس نے انسان کے سامنے اپنے کلام میں ظاہر کیے اور جو خدا تعالیٰ اپنے اس تعلق میں ظاہر کرتا ہے جو اُس کے نیک بندے اِس سے حاصل کر سکتے ہیں مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے اُس پر غور کرنے سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ کتنا پیار کرنے والا، خدا تعالیٰ کس رنگ میں ربوبیت کا مظاہرہ کرنے والا اور خدا تعالیٰ کس طرح اپنی رحمانیت کے جلوے انسان پر ظاہر کرنے والا ہے۔ اعلیٰ ہذا القیاس اور اس معرفت اور عرفان کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک تو حقوق اللہ کی ادائیگی کی طرف ہمیں توجہ ہوتی ہے اور ہم عبادت کو اُس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دوسرے بنی نوع انسان کے آپس کے تعلقات میں شریعت محمدیہ اور شریعت حقہ اسلامیہ کے مکارم کو اپنانے اور خدا کے پیدا کردہ انسان کے ساتھ حسنِ سلوک کے کرنے کی طرف ہمیں توجہ ہوتی ہے۔ جس سلوک کا حکم قرآن کریم کی شریعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور ارشادات میں ہمیں نظر آتا ہے۔ پس وَسِيْلَةٌ یعنی خدا تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کی جو راہ ہے اس کے تین طریقے بتائے گئے ہیں، تین راہوں کی تعین کی گئی ہے جو خدا تعالیٰ کے قرب تک لے جانے والی ہیں۔ ایک علم ہے یعنی معرفت اور عرفان دوسرے اس کا تقاضا عبادت اور حقوق اللہ کی ادائیگی ہے اور تیسرے مکارمِ شریعت کے مطابق انسان کے ساتھ حسن سلوک اور خدا تعالیٰ کی دوسری مخلوق کے ساتھ وہ برتاؤ ہے جیسا برتاؤ کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں کہا ہے کہ ہونا چاہیے اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور ارشادات میں ہمیں نظر آتا ہے۔

یہ تین باتیں جو وَسِيْلَةٌ کے اندر آتی ہیں اس کے تین دشمن ہیں اور جس وقت انسان خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اُس کی راہ میں روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم رسول ایک کامل اور مکمل شریعت لے کر دنیا کی طرف آیا ایک ایسی شریعت لے کر جس نے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا اتمام کر دیا اور ان کی تکمیل کر دی تو اُس کے بعد یہ نہیں ہوا کہ کوئی مقابلے میں کھڑا نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد یہ ہوا کہ رؤسائے مکہ نے اپنی میانوں سے تلواریں نکال لیں وہ یہ سمجھے کہ شاید تلوار کے ساتھ ہم خدا تعالیٰ کے اس سلسلہ کو، خدا تعالیٰ کے اسلام کو، خدا تعالیٰ کی کامل اور مکمل شریعت کو اور اس کامل اور مکمل شریعت کے لانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام اور نامراد کر دیں گے۔ اُنہوں نے یہ سمجھا اور اُنہوں نے تلواریں نکال لیں لیکن اسلام کو ناکام کرنے کے لیے صرف ظاہری دشمن کی مادی طاقت کا مظاہرہ ہی تو نہیں ہوا صرف تلواریں ہی میانوں سے نہیں نکلیں، صرف کمانوں پر چلّے نہیں چڑھائے گئے اور ان میں تیر نہیں رکھے گئے

، صرف نیزوں کی اَنیّوں کو تیز نہیں کیا گیا، صرف گھوڑوں کی پرورش نہیں کی گئی جن پر سوار ہو کر مسلمانوں کے قتل کرنے کا اُنہوں نے منصوبہ بنایا تھا بلکہ اس ظاہری دشمن کے ساتھ ساتھ ایک مخفی دشمن بھی مقابلہ پر آ گیا۔ مذہب کی اصطلاح میں اس کو شیطان کہتے ہیں۔ شیطان اپنا کام کافر کے ذریعے بھی کرتا ہے اور شیطان اپنا کام منافق کے ذریعے بھی کرتا ہے۔ وہ دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے وہ جھوٹی افواہیں پھیلاتا ہے۔ وہ ان کو اپنی جگہ سے ہلا کر اور معنی بدل کر دنیا کے سامنے پیش کرتا اور انسان کے دل میں غلط فہمیاں پیدا کرتا ہے اور پھر انسان کے اندر بشری کمزوریاں ہیں یہ صداقت کا اور خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں پروئے جانے والوں کا تیسرا دشمن ہے جو کھڑا ہوتا ہے۔ یہ ہر شخص کا اپنا نفس ہے اسی واسطے قران کریم نے کہا کہ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ امام راغب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس جہاد اور مجاہدہ میں تینوں دشمنوں کا مقابلہ آجاتا ہے۔ ظاہر دشمن کا بھی، شیطانی وساوس کا بھی اور اپنے نفس کی کمزوریوں کا بھی جو کہ شہوات دنیا کی طرف مائل ہو جاتا اور دنیا کے لالچ کی طرف پھسلتا اور تباہی کے سامان پیدا کرتا ہے۔

بس جہاں خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کا عرفان حاصل کرنا ضروری ہے اور قرآن کریم نے اسے بیان کیا وہاں اس کے مقابلہ میں تین دشمن بھی ہیں ایک نے کہا کہ سر پھوڑ دیں گے تمہارا اگر تم نے نمازیں پڑھیں۔ چنانچہ مکی زندگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمبا عرصہ چُھپ چُھپ کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے اور وہ معرفت اور علم اتنا عظیم علم، اتنا حسین علم، ایسا علم جس کے اندر احسان کی بڑی زبردست طاقتیں ہیں اس کے متعلق ظاہری دشمن نے بھی یہ اعلان کیا کہ یہ تو کوئی چیز نہیں ہے اور اس کی طاقت کوئی طاقت نہیں ہے۔ ان کے خیال میں یہ روحانی علم ایسا تھا کہ جسے تلوار کی دھار کاٹ سکتی تھی۔ تلوار کی دھار مادی چیزوں کو کاٹا کرتی ہے اور جو روحانی قوتیں اور طاقتیں ہیں انہیں تلوار کی دھار اور انہیں تیر خواہ وہ کس قدر طاقتور کمان سے ہی کیوں نہ چھوڑے جائیں اور انہیں نیزہ کی انّی نہیں کاٹا کرتی۔ وہ علم تو اپنی جگہ قائم رہنے والی روحانی طاقت ہے لیکن انہوں نے اپنے زعم میں یہی خیال کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے چند ایک ہیں شاید وہ ان کی گردنیں اڑا کر خدا تعالیٰ کے سلسلہ کو ختم کر دیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس ظاہری دشمن کا بھی مقابلہ کرنا ہے جب وہ ظاہری اور مادی سامان لے کر آئے تو تمہیں ظاہری اور مادی سامان لے کر اس کے مقابلہ میں جانا چاہیے خواہ اس کے مقابلہ کے لیے تمہارے پاس ظاہری اور مادی سامان ان کی طاقت کے مقابلہ میں 100 میں سے ایک بھی نہ ہو کیا ہزار میں سے ایک بھی نہ ہوں یا لاکھ میں سے ایک بھی نہ ہوں لیکن اگر تمہیں کہا جائے کہ خدا تمہیں کہتا ہے کہ ان مادی سامانوں کا مقابلہ مادی سامانوں سے کرو تو تم ان کا مقابلہ کرو۔ یہ ظاہری مادی طاقت جو بعض ہر بھرے انسانوں کے ہاتھ میں ہمیں نظر آتی ہے اس کو ناکام کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے غیر مادی روحانی طاقتیں بھی پیدا کی ہیں اور یہی چیز ہے جو مومن مسلم انسان کی طاقت کو ثابت کرتی ہے۔ غرض پہلے مفسرین نے بھی کہا ہے کہ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ میں تینوں دشمنوں کا ذکر آتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تینوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور پہلوں سے بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ اور بہت زیادہ حسن کے ساتھ اور بہت زیادہ موثر طریقے پر اور بہت زیادہ قائل کرنے والے بیان کے ساتھ دنیا کو بتایا ہے۔

جَاهِدُوْا میں جس دوسرے مخالف سے مقابلہ کرنے کا ذکر آتا ہے وہ ہے شیطانی کوششوں کا مقابلہ۔ شیطان چھپی ہوئی راہوں سے آتا اور خدا کے دین کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے مثلاً پچھلے 1400 سال سے یہودی اور عیسائی اسلام کے خلاف وساوس پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں لیکن پچھلے 1400 سال میں اسلام میں ترقی اور تناظر اتار چڑھاؤ تو نظر آتا ہے لیکن کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا کہ جس میں خدا تعالیٰ کے لاکھوں محبوب بندوں نے اسلام کی شمع کو روشن نہیں رکھا۔ روشنی کبھی تیز تھی اور کبھی کم اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں اور ملک ملک ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اسلام کی شمع کو بجھنے نہیں دیا یہاں تک کہ پھر مہدی علیہ السلام بدرِ منیر کی حیثیت سے دنیا کی طرف مبعوث ہو کر آگئے اور اب خدا تعالیٰ کے اس بندے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرزند کے ذریعہ سورج (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اخذ کی ہوئی روشنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپؐ سے لی ہوئی روشنی، ساری دنیا میں پھیلانے کا کام شروع ہو چکا ہے اور یہ ہر شخص کو نظر آرہا ہے عیسائیوں کو بھی اب نظر آرہا ہے کہ اسلام کی روشنی ان جگہوں پر پہنچ گئی جن کے متعلق ان کو خیال بھی نہیں تھا کہ اسلام کبھی ان کے اندھیروں کو چیرتا ہوا اپنی روشنی کی شعاعوں کے ساتھ ان اندھیروں کے بعض مقامات کو منور کرنا شروع کر دے گا۔ بہر حال جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ میں یہ حکم بھی ہے کہ شیطانی وساوس اور اعتراضات کا مقابلہ بھی انتہائی کوشش کے ساتھ کرو۔ پھر انسان کا اپنا ہی نفس اس کا اپنا ہی شیطان بن جاتا ہے اور دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور دنیا جو کسی سے وفا نہیں کرتی۔ اُس کی خاطر وہ اُس کو جس سے بڑھ کر کوئی وفا کرنے والا نہیں یعنی خدا تعالیٰ کی ذات ، اُس کو وہ چھوڑ دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں اُس دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی ہمیں ہدایتیں دی ہیں جنہیں ایک مسلمان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

(خطبات ناصر جلد ششم صفحہ 444-451)

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

✿✿✿✿